# دعوتِ دین اور نصرتِ الٰہی

میاں طفیل محمدؒ

تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو ایک بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ہم دین کا یہ کام دنیاوی کامیابی کی شرط کے ساتھ نہیں کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں جن لوگوں نے اس کام کا آغاز کیا تھا، پورے غیر منقسم برعظیم پاک و ہند میں ان کی کُل تعداد ۷۵ تھی۔ ان ۷۵ انسانوں نے اس شعور کے ساتھ اور اس بات کو پوری طرح سمجھ کر یہ کام شروع کیا تھا کہ چاہے ہماری تعداد ۷۵ سے بڑھ کر ۷۶ بھی نہیں ہوتی تو نہ ہو، یہی نہیں بلکہ ان میں سے بھی اگر کچھ آدمی ہمیں چھوڑ جاتے ہیں تو چھوڑ جائیں، بہرحال ہمیں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ فریضہ ہر قیمت پر انجام دینا ہے۔

پھر دیکھیے کہ اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد ہماری تنظیمی حالت اور عددی قوت کیا تھی؟ لیکن یہ حالت بھی ہمارے کام کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی اور ہم نے اسے اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے پاکستان میں اسلامی دستور کا مطالبہ سامنے رکھا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہم ہتھکڑیوں، زنجیروں، جیل کی سلاخوں، پھانسی کے پھندوں اور کتنے ہی مرحلوں سے گزر رہے ہیں، لیکن ہر مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے اس دعوت کے مخالفوں کو رُسوا کیا، ہمارے قدم آگے بڑھے اور باری تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں دین کے فروغ کا ایک ذریعہ بننے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس لیے پہلی مشکلات اور آزمایشوں کے مقابلے میں موجودہ مراحل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس چیز کو ایک اٹل اور فطری قاعدہ کلیہ کی حیثیت سے ذہن نشین کر لیجیے کہ جب تک بار بار آزمایشوں بلکہ شکستوں تک سے دوچار نہ کیا جائے، وہ قابلیت اور صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی جو اقامت دین کے کام کے لیے مطلوب ہے۔ مصائب سے گزرے بغیر ہم ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے

کے قابل نہیں ہوسکتے۔ آزمایشوں کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ ہم پر کسی بھاری ذمہ داری کا بوجھ ڈالنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ بار بار ہمیں ابتلا و آزمایش اور مصائب میں ڈال رہا ہے۔

۱۹۶۴ء میں جماعت پر پابندی پر جو ردعمل سامنے آیا، سیاسی جماعتوں، وکلا کی تنظیموں اور سیاسی شعور رکھنے والے لوگوں نے جس طرح اس اقدام کے خلاف زبردست احتجاج کیا، غیرممالک کے اہم ترین اخبارات نے جس طرح اس کے خلاف لکھا اور اندرون ممالک احتجاج کے علاوہ بیرون ملک سے جس طرح محضر نامے بھجوائے گئے، اس سے بجاطور پر جماعت کے وقار اور اس کے ٹھوس مقام کا پتا چلتا ہے۔ پھر جماعت کے خلاف کشمیر کے 'فتویٰ' سے لے کر صدر ایوب خاں صاحب کے ایک وزیر داخلہ تک کے اعتراضات والزامات کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح عدالت میں لانے کا بندوبست کیا اور اس سے سارے ملک پر یہ بات، ملک کی سب سے بڑی عدالت کی سند کے ساتھ واضح ہوگئی کہ قانون توڑنے والی جماعت نہیں ہے، خود حکمران ہیں۔ پھر قومی آفات کے موقعوں پر عوام نے جماعت اسلامی پر جس طرح اعتماد کا اظہار کیا ہے، اس سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ عوام کی نظر میں مخالفین کی طرف سے جماعت پر لگائے گئے الزامات کی کیا حیثیت ہے۔ اسی طرح تبلیغی وفود نے عوام سے جو ملاقاتیں کی ہیں، ان سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عوام کے رجحانات کیا ہیں۔ انھی وجوہ کی بنا پر حکمران اور مخالفین نے بوکھلا کر صرف ۱۹۶۴ء میں جماعت کے خلاف ۳۷ کتابیں شائع کیں مگر وہ پرکاہ جیسا وزن نہ پاسکیں۔

ہم یہ کام اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ اگر کامیابی ہوئی تو کام کرتے رہیں گے، ورنہ ہمت ہار کر کام کو چھوڑ دیں گے۔ دراصل ہم اپنی پوری نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کی نجات کا انحصار ہی اس پر ہے کہ ہم کسی نقصان کی پروا کیے بغیر، اپنے جسم و جان اور مال و دولت کو اس فرض کی ادایگی اور اس جدوجہد میں لگادیں، کھپادیں۔

دوسری طرف بتدریج میدان ہموار ہو رہا ہے۔ ہماری جدوجہد کی مثال سڑک کوٹنے والے اس انجن کی سی ہے، جو روڑوں کو ہموار کرتا ہوا دبدبے کے ساتھ مسلسل آگے بڑھتا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت کا قانون یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے کھوٹے اور کھرے کو الگ الگ کر دیتا ہے، تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون مخلص ہے اور کون محض دنیاوی مفادات کی خاطر منافقت کا لبادہ اوڑھے ہوئے

ہے۔قرآن حکیم بتاتا ہے کہ اللہ کی نصرت اس وقت آتی ہے جب تمام دنیاوی سہارے مٹ جائیں اور بظاہر کوئی تدبیر کام کرتی نظر نہ آئے۔تعاقب میں فرعون ہو اور سامنے دریا ہو، تب رحمت خداوندی جوش میں آجاتی ہے! مگر اس کے لیے شرط ہے: ایمان، اخلاص، تسلسل، تنظیم اور تربیت۔

دوسری طرف آپ دیکھیں کہ بہت سے مواقع پر جب ہمیں میدان سے ہٹا دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہماری مدد فرمائی۔قرارداد مقاصد پاس ہوئی تو اس وقت جماعت کی مرکزی قیادت جیلوں میں قید تھی۔ ۱۹۶۴ء میں جب جماعت پر پابندی عائد کی گئی تو ملک کے تمام اہم قانون دان جماعت کے دفاع کے لیے متحد ہوگئے اور پاکستان کی سب سے بڑی عدالت، سپریم کورٹ نے جماعت کی براءت کا فیصلہ بھی ایسے عالم میں دیا کہ تمام رہنما آہنی سلاخوں کے اس پار کھڑے تھے۔ پس اللہ کی نصرت آتی رہی ہے اور آیندہ بھی آئے گی، لیکن شرط یہ ہے کہ ہمارے قدم نہ ڈگمگائیں اور ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ نہ ہو، اور ہم مایوسی و بے حسی کو ختم کرتے ہوئے اپنی پوری طاقتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ یہ عظیم جدوجہد جاری رکھیں، اور اگر ناکامی ہوئی تو اس کا سبب بے حسی اور بے عملی ہوگی۔

جماعت اسلامی کا مقصد پوری زندگی کے نظام کو توحید پر قائم کرنا ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ پوری انسانی زندگی اللہ کی بندگی کے گرد گھومے اور ہر شعبے میں، ہر معاملے میں، ہر وقت اور ہر جگہ اسی کی اطاعت کی جائے اور ہر فرد خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا، بیوی ہو یا شوہر، بوڑھا ہو یا نوجوان، ہر حیثیت سے اسلام پر پوری طرح عمل پیرا ہو اور اسلامی زندگی کا مکمل نمونہ بن جائے——اس چیز کو آپ پیشِ نظر رکھیں تو پھر آپ کو کبھی یہ پوچھنے کی ہرگز ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ: ''ہم کیا کریں؟'' آپ جہاں ہیں اور جس حیثیت میں ہیں، یہ دیکھیں کہ بحیثیت مسلم میرا طرزِعمل کیا ہونا چاہیے۔ آپ کا کردار ایسا ہونا چاہیے کہ آپ کو اپنے متعلق بتانے یا زبان کھولنے کی ضرورت محسوس نہ ہو بلکہ آپ کا کردار ہی آپ کی نمایندگی کرے۔ سیکڑوں صوفیہ سلطانوں اور بادشاہوں کے دور میں ہندستان آئے تو ان کے پاس نہ خزانے تھے نہ جاگیریں اور نہ دیگر وسائل تھے، مگر ان کے پاس کردار کی دولت تھی جس کے بل بوتے پر انھوں نے ایمان کی شمعیں اور ہدایت کے چراغ روشن کیے۔ یہی معاملہ افریقہ، وسطی ایشیا، ایران اور انڈونیشیا کے ہزاروں جزیروں تک دکھائی دیتا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ تحریک اسلامی کے کارکن بھی اپنی بستیوں میں اسلام کے ایسے ہی چراغ ثابت ہوں۔ اب تک اس تحریک کے جو اثرات پھیلے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ جماعت نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ اس کے کارکنوں کی زندگیاں اسلام، ایمان اور شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہوں، ان کے خلاف نہ ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اسلام کی تبلیغ اور نشرواشاعت کام تو سیکڑوں اور ہزاروں بلکہ لاکھوں حضرات درس و تدریس اور تقریروں کے ذریعے مسلسل کر رہے ہیں، لیکن اسلام کا اثر بڑھنے کے بجائے گھٹتا ہی چلا آیا ہے۔ اس کی حقیقی وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں نے تقویٰ کو اپنی ذات تک محدود رکھا اور اپنے مریدوں اور پیروکاروں کے اخلاق و کردار کی طرف بنیادی توجہ کبھی نہیں دی۔ پس قول و فعل کی ہم آہنگی کا اہتمام ہی وہ چیز ہے جس کے سبب جماعت کے اثرات پھیلے ہیں۔ اس کا اہتمام جس قدر زیادہ کیا جائے گا اسی قدر جماعت کی دعوت پھیلے گی، ان شاءاللہ!

**توجہ طلب امور**: اپنے قول و فعل میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے آپ کو بعض امور کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے:

● ان میں پہلی چیز علم دین ہے، یعنی ہر شخص خواہ وہ اَن پڑھ ہی کیوں نہ ہو، اسے دین کا اتنا علم ضرور ہونا چاہیے کہ وہ فرائض سے واقف ہو اور حرام و حلال کی تمیز کے بارے میں اسے پورا علم ہو۔ پھر اسی چیز کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے علم و حکمت پر مکمل یقین اور بھروسا ہونا چاہیے۔ اگر فی الواقع انسان کو اللہ پر پورا اعتماد ہو تو پھر کیسی ہی مصیبت آئے یا کتنا بڑا نقصان ہو، اسے کوئی تردّد نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ پر ایسا بھروسا انسان کو اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی شکست دینے کے قابل بنا سکتا ہے۔ وہ جس حالت میں بھی ہو راضی بہ رضاے الٰہی ہوتا ہے۔

● اخلاق کے لیے کوئی ایسا نسخہ نہیں جسے استعمال کرنے سے انسانی سیرت و کردار یکا یک بلند ہو جائے، بلکہ جس طرح ایک مریض مرض سے اُٹھنے کے بعد جسمانی طاقت کی بحالی کے لیے دو دو قدم چلتا ہے اور حصولِ صحت کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح انسان کو اخلاق و کردار کی بلندی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر نمازوں کی ادایگی میں سُستی یا کاہلی پائی جاتی ہو تو طبیعت کو

نماز پڑھنے پر مجبور کریں تاکہ وہ نیکی کی عادی ہوجائے۔ آپ ایسا کرتے رہیں گے تو کچھ عرصے بعد نماز آپ کی عادتِ ثانیہ بن جائے گی اور پھر اگر آپ نماز نہ پڑھیں گے تو طبیعت بے چین ہوجائے گی۔ یہ چیزیں آپ کو اپنے اندر پوری طرح راسخ (cultivate) کرنی پڑیں گی۔ اگر آپ اپنے نفس سے لڑ کر اُس پر قابو پائیں گے تو اللہ بھی آپ کی مدد کرے گا۔ اس سلسلے میں نماز اور دوسرے فرائض کی پابندی کے علاوہ اطاعتِ امر اور خود اپنا کڑا محاسبہ کرتے رہنے کی ضرورت بھی ہے۔

● جماعت کے ہفتہ وار اجتماعات میں شریک ہونا انتہائی ضروری ہے۔ جماعت کو درشتی پہلوانوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ لوگ مطلوب ہیں جو عملی طور پر بھی کسی صورت جماعت کا ساتھ دے سکیں، اور ہفتہ وار اجتماعات میں شرکت اس کی ابتدائی صورت ہے۔ جماعت میں اہلِ علم حضرات ہیں۔ انھیں جماعت کے منصوبے کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں جماعت کی کیا خدمت کرسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر کارکن کو رات کو سونے سے پہلے اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ دن میں مجھ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی، کہیں میں نے ادایگی میں کوتاہی تو نہیں کی؟ امراے اضلاع اور مقام کو اپنے کارکنوں پر نظر رکھنی چاہیے۔ اگر وہ اپنے فرائض میں سُستی یا کوتاہی کریں تو انھیں اس طرح تنبیہ کریں جیسے ایک باپ بیٹے کو یا بھتیجے اور بھانجے کو کرتا ہے، اور کارکنوں کا بھی فرض ہے کہ اگر وہ اللہ کی رضا کے لیے آگے بڑھے ہیں تو بُرا مانے بغیر اپنی ان کمزوریوں کا ازالہ کریں۔

● آخری بات جو بڑی اہم اور آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ وہ یہ کہ آپ اپنی ذات کے علاوہ اپنے اہلِ خانہ کو بھی اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کریں، اور اس کام کو کیے بغیر آپ اللہ کے عتاب سے نہیں بچ سکتے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ کی بیوی بچے اور وہ عزیز ہستیاں جن کے لیے آپ اکثر اوقات اُس کام کو بھی پسِ پشت ڈال دیتے ہیں، جسے آپ نے اپنا مقصد زندگی قرار دے رکھا ہے، عذابِ الٰہی سے بچ جائیں۔ یہ یقیناً عقل وشعور کا کوئی اچھا مظاہرہ نہ ہوگا کہ ہم لوگوں کو تو راہِ راست کی طرف بلانے کے لیے مارے مارے پھرتے رہیں، مگر اپنے گھر کی کوئی فکر نہ کریں۔ آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ آپ کے متعلقین میں کوئی شخص ایسا نہ رہ جائے

جو یہ نہ سمجھ لے کہ یہ کام کیا ہے، چاہے وہ آپ کا مخالف ہی کیوں نہ ہو، مگر آپ کی طرف سے ایک بار اس پر یہ نصب العین واضح کرنا بہرحال ضروری ہے۔ البتہ جن سے آپ پوری طرح مایوس ہو جائیں اُنھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے، آمین! (آئین، تربیت نمبر، ۱۷/اگست ۱۹۶۵ء)